خدا بخش سالانہ خطبہ ۱۹۹۷ء

علم و اسم کے رابطہ کی ضرورت و افادیت

اور

میری چند محسن کتابیں

مولانا ابوالحسن علی ندوی

خدا بخش اورینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ

www.abulhasanalinadwi.org

اشاعت : ۱۹۹۸ء
قیمت : دسؔ رُپے

پاکیزہ آفسیٹ پریس، شاہ گنج، محمد پور روڈ، پٹنہ ۔۶ میں طبع ہوئی۔

حرفِ آغاز

مولانا ابوالحسن علی ندوی مدظلہ العالی محتاج تعارف نہیں۔ بلکہ ان کا تعارف کرانا سوئے ادب ہوگا۔ سورج کو چراغ دکھانے کی ایک احمقانہ کوشش۔ مولانا علی میاں نہ صرف برِصغیر میں بلکہ بلادِ اسلامیہ میں ایک محقق، عالم اور دانشور کی حیثیت سے معروف ہیں۔ میری خواہش تھی کہ میرے دور میں علمی تقاریر کا سلسلہ مولانا کی تقریر سے شروع ہو۔ انھوں نے میری دعوت بہت شفقت و محبت سے قبول کی اور آنے کا وعدہ فرمایا۔ لیکن اچانک ایک ایسی صورت پیدا ہوئی کہ ان کا آنا ملتوی ہوگیا اور التوار کی یہ مدت دراز ہوتی گئی۔ افسوس بھی ہوا اور مایوسی بھی۔ مگر یہ یقین تھا کہ جب بھی وقت ملے گا مولانا اپنا وعدہ ضرور پورا کریں گے۔ آخر وہ گھڑی آ ہی گئی جب مولانا علی میاں خدابخش لائبریری تشریف لائے۔ اس سے پہلے بھی ایک مرتبہ وہ یہاں آچکے تھے۔ انھوں نے ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی، گورنر بہار کے ساتھ یہاں کے نایاب و نادر مخطوطات کو دیکھا۔ اس کتابخانے کی علمی خدمات اور ذخائر کو بہت سراہا۔

خدابخش لائبریری میں مولانا علی میاں ۶؍اکتوبر ۱۹۹۷ء کو خدابخش سالانہ خطبہ دینے تشریف لائے۔ تقریر کا موضوع "علم و اسم کے رابطے کی ضرورت و افادیت" خود انھوں نے منتخب کیا جو لائبریری کی نسبت سے بہت مناسب و موزوں تھا۔ مولانا نے علم و اسم کے ربط و تعلق کو جس عالمانہ انداز میں اجاگر کیا وہاں ایک عام آدمی کی نظر مشکل سے جاتی ہے۔ یہ اللہ کے نام ہی کی صفت تھی کہ ایک اُمّی کو عالم بنا دیا۔ مولانا نے ان کتابوں کا ذکر کیا جن سے وہ متاثر ہوئے۔ جو ان کے حیطۂ علم کی وسعت کا موجب اور عمل کے

www.abulhasanalinadwi.org

لیے ترغیب کا سبب ہوئیں۔ وہ کتابیں جو ان کی رفیق زندگی تھیں اور ان کی کردار سازی میں معاون ثابت ہوئیں ان کا تعارف پیش کیا۔

مولانا کی شخصیت، بزرگی اور ان سے عقیدت کے پیشِ نظر ہمیں یقین تھا کہ لوگ انھیں سُننے بڑی تعداد میں آئیں گے اور ہوا بھی ایسا ہی۔ وہ لیکچر ہال جس میں زیادہ سے زیادہ دوسو اشخاص کی گنجائش ہے۔ ڈھائی سو سے سوا لوگوں کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوا تھا۔ ہال کھچاکھچ بھرا ہوا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر کرزن ریڈنگ روم میں بھی شارٹ سرکٹ ٹی۔ وی کا انتظام کر لیا تھا۔ وہاں بھی ڈیڑھ سو سے زیادہ لوگ مولانا کی تقریر سے مستفید ہو رہے تھے۔

ہمارے لیے یہ خوشی کی بات ہے کہ مولانا نے ہماری دعوت پر پہلی بار خدا بخش لائبریری میں مجمع سے خطاب کیا۔ اس تقریب کی صدارت ڈاکٹر اخلاق الرحمٰن قدوائی نے کی۔ راقم السطور نے مختصراً موضوع پر روشنی ڈالی اور مولانا سے بصد ادب واحترام خطبہ پیش کرنے کی درخواست کی۔ صدر کی تقریر پر جلسہ اختتام پذیر ہوا۔

مولانا کا یہ خطبہ اب ہم کتابی شکل میں پیش کر رہے ہیں تاکہ زیادہ لوگ اس سے استفادہ کر سکیں۔ اس سے پہلے یہ خدا بخش لائبریری جرنل نمبر ۱۱۱ میں بھی شائع ہو چکا ہے۔

حبیبُ الرحمٰن چغتائی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ، اَمَّا بَعۡد:
فَاَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ، اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ الخ

حضرات! یہ محض حسن اتفاق نہیں بلکہ توارد ہے اور ایک طرح سے اتفاقی چیز ہے کہ میں انھیں آیتوں سے اپنی تقریر شروع کرنے والا تھا، ہمارے محترم فاضل چغتائی صاحب نے ان آیتوں کو پڑھا لیکن آپ سب حضرات جانتے ہیں کہ قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھی جانے والی کتاب ہے اور اس میں مکرّر کا معاملہ نہیں ہے کہ ابھی آپ نے جو پڑھا ہے، پھر پڑھ رہے ہیں یا دوسرا پڑھ رہا ہے، اس لیے اگر میں ان آیتوں کو دوبارہ پڑھتا ہوں اور ان پر روشنی ڈالتا ہوں تو یہ نہ کوئی بدعت ہے نہ کوئی معصیت ہے اور نہ کوئی جدّت ہے اور نہ کوئی معذرت کے قابل چیز ہے۔

بہت سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ نبی جو قلم چلانے سے اور لکھنے پڑھنے سے بالکل معذور تھا، اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے (جس کا اندازہ پورے طور پر آج بھی نہیں کیا جاسکا) اس کو "اُمّی بنایا" یہ بات خود ایک کتب خانہ کی طالب ہے، یہ چیز کہ اللہ نے اپنے نبی کو اُمّی کیوں بنایا اس پر بڑے بڑے فلاسفۂ تاریخ اور بڑے بڑے مفکرین مذاہب اور ناقدین روشنی ڈال سکتے ہیں، اگر ایک بڑے پڑھے لکھے فاضل کو اللہ تعالیٰ تمام دنیا کے لیے اپنا ترجمان بناتا اور ایقان لانے والا بناتا تو معلوم نہیں اس کے متعلق کیا کیا قیاسات ہوتے اور کہاں سے اس کا سرا ملایا جاتا کہ اس نے

www.abulhasanalinadwi.org

فلاں کتاب پڑھ لی ہوگی تو یہ کہنے لگا، اس نے فلاں درس گاہ، فلاں دانش گاہ و دانش کدہ میں
فلاں مکتب خیال (School of thought) میں یہ تعلیم پائی تو اس کا یہ اثر ہے، غرض کہ اس
میں بہت بڑا راز ہے اور خدا کی بہت بڑی حکمت ہے کہ اس نے آخری دور کے لیے، قیامت
تک کے زمانہ کے لیے جو علم اور تعلیم کا زمانہ ہوگا اور صرف تعلیم و تصنیف کا ہی نہیں بلکہ قیاسات کا
اور ذہانتوں کا، بدگمانیوں کا اور شبہ انگیزیوں کا زمانہ ہوگا، اس میں اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے
نبی کا انتخاب کیا جو پڑھا ہوا نہیں تھا۔

میں آپ کے سامنے ایک طالب علم خاص طور سے بلاد عربیہ اور عالم عربی کے تاریخ کے
طالب علم کی حیثیت سے یہ کہتا ہوں کہ یہ ایک بہت بڑا معمہ تھا اگر اس زمانہ کے فاضلوں کو، دانشوروں
کو جو اس زمانہ کا (Intellectual class) تھا اس کو جمع کیا جاتا اور کہا جاتا کہ آسمان کا
زمین سے اور خالق کائنات کا تعلق کائنات سے وحی کے ذریعے، پیغام کے ذریعہ سے پہلی مرتبہ
صدیوں کے بعد قائم ہونے والا ہے تو بتلائیے کہ اس کی ابتدا کس چیز سے ہوگی؟ میں آپ کو یقین
دلاتا ہوں کہ ایک بھی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی ابتداء "اِقرار" کے لفظ سے ہوگی، اس لیے کہ وہ
جانتا تھا کہ جس پر یہ وحی نازل ہونے والی ہے اور اس کو نبوت ملنے والی ہے وہ پڑھا ہوا نہیں
ہے Illiterate ہے، اُمّی ہے، اور جس ملک میں وحی نازل ہونے والی ہے، اس کے ذریعہ سے
خدا کو دنیا کو ایک عالمگیر پیغام دینا ہے، زندگی کا پیغام دینا ہے، سعادت کا پیغام دینا ہے، اتحاد
کا پیغام دینا ہے، مقصدیت کا پیغام دینا ہے، معرفتِ الٰہی کا اور مرتبۂ انسانی کا پیغام دینا ہے وہ
ملک سرا سر اَن پڑھ ہے، اُمّی ہے Illiterate ہے، تاریخ عرب اور تاریخ ادب کے ایک
خصوصی طالب علم کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ اگر مکۂ معظمہ میں تلاش کیا جاتا کہ قلم کہاں مل سکتا ہے
تو شاید دو چار گھروں کے علاوہ کہیں قلم مل ہی نہیں سکتا تھا، وہاں صرف ورقہ بن نوفل ایک لکھنے
والے تھے، کسی لال بجھکّڑ یا کسی بڑے نکتہ داں سے پوچھا جاتا کہ یہ بتلائیے کہ دنیا میں جو فساد برپا
ہے، جو جہالت پھیلی ہوئی ہے، بُت پرستی کا رواج ہے، انسان خدائی کے دعویدار بنے ہوئے ہیں،
انسان کے غلط تصرفات کا زمانہ ہے اور ناخدا شناسی کا دور ہے، اس زمانہ میں پہلا لفظ کیا ہوگا؟
پہلی وحی کیا ہوگی؟ بڑے سے بڑا دانشمند اور عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ اس کی ابتداء "اِقراء"

کے لفظ سے ہوگی، اس لیے خود عرب اپنے کو کہتے تھے "نَحنُ أُمَّةٌ أُمِّيُّونَ" ہم اَن پڑھ لوگ ہیں اور
قرآن مجید نے خود ذکر کیا ہے یہود کی زبان سے کہ وہ کہتے تھے "لَيسَ عَلَينا فِي الاُمِّيّينَ سَبيلٌ" ہم جو
بھی کریں اس قوم کے ساتھ جو معاملہ کریں ہم سے کوئی مؤاخذہ نہ ہوگا، کوئی دار و گیر نہیں ہوگی، اس
لیے کہ وہ جانوروں کی طرح ہیں وہ اُمّیوں کو جانوروں کے ہم مرتبہ سمجھتے تھے، عربوں کے ساتھ اگر ہم
زیادتی کرتے ہیں، کسی چیز پر قبضہ کر لیتے ہیں، زمین پر قبضہ کر لیتے ہیں، ملکیت پر قبضہ کر لیتے ہیں تو
کوئی ہم سے دار و گیر نہیں ہوگی، یہ کوئی اخلاقی جرم نہیں ہے، کیونکہ یہ جاہل اَن پڑھ جانور لوگ ہیں،
کوئی جانور کو اپنے گھر میں پالتا ہے، کوئی دوسرا کام لیتا ہے، کوئی سزا دیتا ہے، یہ کوئی جُرم نہیں،
تو حیرت انگیز بات ہے کہ اس وقت اس وحی کا آغاز اِقراء سے ہوتا ہے، لیکن یہ ایک حقیقت ہے جس
پر لوگوں نے بہت کم غور کیا ہے کہ ان آیات میں "علم" کو "اسم" سے ملایا گیا ہے، "اِقرأ باسمِ ربِّكَ"
پڑھو لیکن یہ پڑھنا کافی نہیں، مفید نہیں ہے، وہ پڑھنا جو خالص پڑھنا ہو، جس سے معلومات میں محض
اضافہ ہو، اور جس سے آدمی میں فخر کا شعور پیدا ہو کہ ہم بڑے پڑھے لکھے ہیں، بڑے Educated
ہیں، بڑے انٹلکچول ہیں، دانشور ہیں، یہ کافی نہیں، اس عمیق نکتہ پر لوگوں نے غور نہیں کیا، یہ
ایک انقلاب انگیز پیغام تھا اور انقلاب انگیز دعوت تھی اور ایک انقلاب انگیز انکشاف تھا "اِقرأ باسمِ ربِّكَ" پڑھو لیکن
"علم" "اسم الٰہی" سے الگ نہ ہو، جب "علم" "اسم اللہ" سے الگ ہوگا تو پھر وہ جہالت بن جائے گا
اور جہالت ہی نہیں بنے گا بلکہ جہالت خیز، جہالت ریز اور جہالت کا سرپرست، جہالت کی تائید کرنے
والا اور جہالت کے لیے دلائل لانے والا اور جہالت کے لیے دنیا کے دانشوروں کو کنونس (Convi
nce) کرنے والا بن جائے گا، اگر دیکھا جائے تو دنیا کا سب سے بڑا انقلاب وہ ہوا جو "علم" کے
"اسم" سے جدا ہونے سے ہوا، تو اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا اِقْرَأْ پڑھیے لیکن "باسمِ ربِّكَ
الَّذِي خَلَقَ" اس رب کے نام کے ساتھ اور ایمان کے ساتھ پڑھیے جس نے پیدا کیا، تو یہ ایک
انقلاب انگیز اعلان تھا، ایک فکر انگیز اور شعور خیز اعلان تھا، لوگوں نے بہت کم اس پر غور کیا
ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے نبی اُمّی سے کہ آپ پڑھیے، لیکن اپنے اس رب کے نام سے پڑھیے
جس نے پیدا کیا، سب سے پہلے اس کے جاننے کی ضرورت ہے کہ ہمیں پیدا کس نے کیا؟ کس لیے
پیدا کیا؟ اور وہ پیدا کرنے والا ہم سے کیا چاہتا ہے، ہمیں کس طرح کی زندگی گذارنی چاہیے؟ یہ

www.abulhasanalinadwi.org

ایک انقلاب انگیز انکشاف، ایک انقلاب انگیز دعوت تھی کہ اللہ تعالیٰ نے اس عہد کے لیے جو بعثتِ محمدی سے شروع ہونے والا ہے اور قیامت تک رہے گا، اس عہد کے لیے جو پچھلے عہدوں کی غلطیوں کو ختم کرنے والا، پچھلے عہدوں کے انحرافات کو اور ان کے غلو کو اور ان کے علم کے باوجود بے علمی کو اور دانائی کے باوجود نادانیوں کو اور ذہانت کے باوجود بلادت کو اور غباوت کو دور کرنے والا تھا اور اس دنیا میں جو فساد پیدا ہوا تھا علم کے اسم سے جدا ہو جانے کی وجہ سے اس کو مٹانے والا تھا اس کی ابتدا ان لفظوں سے کی اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ پڑھیے اپنے اس رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

پھر اس میں ایک بات جس پر کم لوگوں نے غور کیا ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی اس آیت نے گویا اعلان کیا کہ نبی تو نبیِّ امّی ہے لیکن اس نبی کی جو امّت پیدا ہوگی وہ حاملِ علم باسم ہوگی، وہ حاملِ انصاف ہوگی، حاملِ عدالت ہوگی حاملِ توازن ہوگی اور حاملِ ہمدردی و رحمت ہوگی، بتایا کہ وہ نبی امّی ہے لیکن اس نبیِّ اُمّی کی دعوت سے جو امّت پیدا ہوگی وہ علم کی علَم بردار ہوگی، علم کی ناشر ہوگی، علم کی خادم ہوگی، علم میں اضافہ کرنے والی ہوگی، نئے نئے علمی میدان پیدا کرنے والی ہوگی، نئی نئی علمی پہیلیوں کو بجھانے والی اور سلجھانے والی ہوگی، اسوقت یقیناً ایسے دانا رہے ہونگے جنھوں نے سمجھ لیا ہوگا کہ اب اس نبیِّ اُمّی سے جس امّت کا ظہور ہونے والا ہے اس کی بعثت کے نتیجہ میں جو امّت آئے گی وہ حاملِ علم ہوگی اور وہ علم مفید ہوگا، وہ علم اثباتی ہوگا، ایجابی ہوگا، تعمیری ہوگا، انقلابی ہوگا، وہ علم ایسا نہیں ہوگا کہ وہ خدا سے ناآشنا کرے اور اپنی حقیقت سے بھی ناآشنا بنائے، اور دنیا کے مفاد سے دنیا کا جو حق ہے، جو مفاد ہے، اس سے غافل کرے، اور وہ علم صرف اپنی شہرت کے لیے رہ جائے یا محض پہیلیوں کو بجھانے کے لیے اور اپنی ذہانت کا سکّہ جمانے کے لیے، اپنی تعریف کرانے کے لیے اور اس سے بھی زیادہ یہ کہ اپنا پیٹ بھرنے کے لیے، عزّت حاصل کرنے کے لیے ہو، خدا بخش خاں کی لائبریری، اس کتابی ذخیرہ اور اس کتابی مرکز میں جس کی مثال عالم اسلامی میں بھی کم ملے گی۔ میں اس بات کی شہادت دیتا ہوں کہ یہ آپ کے ہندوستان ہی کے لیے قابلِ فخر نہیں، عالم اسلام کے لیے، عالم علم کے لیے اور علمی دنیا کے لیے قابل فخر ہے اس میں ان آیات کا پڑھنا بڑا موزوں تھا اور میں اس کو توارُد سمجھتا ہوں، اتفاق سمجھتا ہوں کہ میں یہی

سوچ کر آیا تھا کہ ان آیتوں سے ابتدا کروں، چغتائی صاحب نے یہی آیتیں پڑھیں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کی نبوت سے جو امت پیدا کی وہ علم کی ایسی حامل ہوئی کہ اس نے علمی دنیا ہی میں نہیں بلکہ مذاہب کی دنیا میں، اخلاق کی دنیا میں، سیاسیات کی دنیا میں، انتظامات کی دنیا میں، معاملات کی دنیا میں اور زندگی کا کوئی شعبہ نہیں جس شعبہ میں انقلاب برپا نہ کیا ہو، جہاں تک کتابوں کے لکھنے کا تعلق ہے یہ کہا جاسکتا ہے کہ کسی مذہب کے حامل اور کسی نبی کی امت نے علم کی ایسی خدمت نہیں کی جو باختلافِ اقسام و انواع اور باختلافِ اثر و تاثیر اس امّت نے کی ہے، آپ اگر اس کے ذخیرہ کو دیکھیں، اس کے کاموں کو دیکھیں تو آپ حیران رہ جائیں گے۔ خود یہ کتب خانہ اگر آپ نے اسے دیکھا ہو، آپ کے شہر ہی کے لیے نہیں پورے ملک کے لیے قابلِ فخر ہے، اسے آپ دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ یہ ایک حصّہ ہے اس بڑے کام کا جو اس امت نے انجام دیا مختلف دوروں میں، مختلف ملکوں میں اور مختلف زبانوں میں۔

انگریز مفکّرین اور مصنّفین نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے کہ یورپ کی نشاۃ ثانیہ میں، یورپ کی نئی ترقی میں، سائنٹفک ترقی میں اور دانش کی ترقی میں، تجربات کی ترقی میں اسپین نے اثر ڈالا ہے، اور اسپین وہ ہے کہ جب وہاں کچھ نہیں تھا اور جب وہاں اسلام پہنچا تو اس کو اندلس بنا دیا اور اس نے اس کو ایسا مرکز علم بنا دیا، جو لوگ جانتے ہیں ان سے عرض کرتا ہوں کہ دو اصطلاحیں ہیں، ایک قیاس کی اصطلاح، قیاس یہ ہے کہ آدمی پہلے سے ایک بات طے کرلے کہ یہ بات یوں ہے اور اس کے بعد قیاس کرتا چلا جائے، اور ایک استقرار یعنی مختلف چیزوں کو دیکھ کر تجربہ کرکے ایک نتیجہ نکالے اور پھر اس پر عمل کرے، یورپ کے ایک بڑے دانشور نے لکھا ہے کہ یورپ میں سائنس کی ترقی اس وقت سے شروع ہوئی جب اسپین سے یورپ نے استقرار کا خیال لیا، اور قیاس کو چھوڑا، قیاس سے ترقی نہیں ہوسکتی استقرار سے ترقی ہوسکتی ہے، جب آپ دس بیس چیزوں کو دیکھیں اور پھر دیکھیں کہ ان میں قدر مشترک (Common factor) کیا ہے تو پھر آپ ایک نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہ کام یوں ہونا چاہیے، اسی طرح اسپینی کتب خانوں کے متعلق ان سب لوگوں نے اعتراف کیا ہے کہ ان سے فائدہ اٹھایا گیا۔

تو ایک نبیِّ امّی سے اللہ نے اپنا ایک معجزہ دکھایا اور معجزہ وہ ہوتا ہے جو بالکل عقل و دانش

www.abulhasanalinadwi.org

سے بالاتر ہو، ایک بڑے پڑھے لکھے فاضل نبی کی بعثت سے ایک قوم اور ایک امّت کے پیدا ہو جانے میں اعجاز کا وہ پہلو نہیں جو ایک نبیِ اُمّی کی بعثت سے ایک ایسی عالم بلکہ معلّم دانشور، مجتہد قسم کی امّت پیدا ہو، اس میں جو اعجاز کا پہلو ہے وہ اس میں نہیں ہے۔ کسی پڑھے لکھے نبی کی بعثت سے کوئی امّت پیدا ہو، یہ بے شک اللہ کا فضل ہے، احسان ہے، ہم اس کے قائل ہیں، معتقد ہیں کہ نبیِ اُمّی کی تعلیم و دعوت سے ایک ایسی امّت پیدا ہو جائے جس میں اتنے جلیل القدر مفکر پیدا ہوں، دانشور پیدا ہوں، مجتہد پیدا ہوں جو اجتہاد کریں اور پچھلے نظریات کو بدل لیں اور دوسرے نظریات لائیں، اور ساری دنیا میں علم کا دریا بہا دیں، اب آپ دیکھ لیں کہاں یہ شہر جو ہندوستان کا بہرحال ایک حصّہ ہے اور کہاں یہ عظیم کتب خانہ، آپ کسی اسلامی ملک میں جائیے تو آپ دیکھیں گے کہ وہاں ایک کتبخانہ موجود ہے۔ یورپی مورخین نے بعض خواتین کا ذکر کیا ہے کہ ان کے یہاں ایک ایک لاکھ کتابیں موجود تھیں، اور بڑے بڑے عالموں، ادیبوں کو کوئی بات سمجھنی ہوتی تھی، کوئی معمّہ ہوتا تھا، کوئی ایسا مسئلہ جسے حل نہیں کر سکتے تھے تو مسلم خاتون توجہ کرتی تھیں، ان کے نام بھی کتابوں میں آتے ہیں۔

اب میں بجائے اس کے کہ ان کتابوں کا ذکر کروں جن سے معلومات حاصل ہوئی ہیں اور جن کا ممنونِ احسان ہوں اور جن کی وجہ سے محدود صلاحیت ہی سہی لیکن اس درجہ کی صلاحیت پیدا ہوئی کہ لکھ پڑھ سکتا ہوں، عربی میں بھی اور اردو میں بھی، ان کے بجائے ان کتابوں کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جنھوں نے گہرا اثر ڈالا اور ایک انقلاب انگیزی کا کام کیا، لوگوں نے ایسی کتابیں تو لکھی ہیں جن میں کتابوں کی فہرست آ گئی ہے کہ کیا کیا پڑھا، لیکن ضرورت تھی کہ ان کتابوں کے نام لیے جاتے اور اچھے پڑھنے لکھنے والے دانشور ان کتابوں کا ذکر کرتے جن کتابوں کے مطالعہ سے ان میں انقلاب پیدا ہوا۔

میں ان چند کتابوں کا ذکر کرتا ہوں جنھوں نے میرے محدود رقبۂ علم میں، رقبۂ عمل میں، اور رقبۂ حیات میں، میرے دائرۂ فکر میں انقلاب برپا کیا شاید بعض لوگوں کو کچھ خیال پیدا ہو ان کے پڑھنے، ان کے دیکھنے کا، ورنہ کتابیں اپنی تعداد کے لحاظ سے، صفحات کے لحاظ سے، اپنی ضخامت کے لحاظ سے ناقابل شمار ہیں۔

سب سے پہلے مسدّس حالیؔ کا اثر پڑا، مسدّس حالیؔ میں حضورؐ کے بارے میں جو لکھا گیا:-

وہ نبیوں میں رحمت لقب پانے والا　　مرادیں غریبوں کی بر لانے والا
مصیبت میں غیروں کے کام آنے والا　　وہ اپنے پرائے کا غم کھانے والا
فقیروں کا ملجا ضعیفوں کا ماویٰ
یتیموں کا والی غلاموں کا مولیٰ

اس کے بعد صحابۂ کرام کی تعریف بھی انھوں نے بڑے دلکش و دل نشیں انداز میں کی ہے۔ میرا خاندان ایک علمی خاندان تھا، میرے والد محترم مولانا حکیم سید عبدالحیؒ صاحبؒ ہندوستان کے چیدہ ترین اور عظیم ترین مصنفین میں تھے جنھوں نے ایک کتاب آٹھ جلدوں میں نُزْھَۃُ الْخَوَاطِرْ کے نام سے لکھی جس میں ساڑھے چار ہزار (۴۵۰۰) شخصیتوں کا حال ہے اور یہ بتا دوں کہ جتنی کتابیں لکھی گئیں وہ ایک ایک صدی پر لکھی گئیں ان کے نام بھی میں لیا کرتا ہوں۔

بڑے بڑے فضلائے عرب اور بڑے بڑے مؤرخین اور سوانح نگاروں نے ایک ایک صدی کا انتخاب کیا، لیکن ایک ایسی کتاب جو پہلی صدی سے لے کر آخری صدی تک کے لوگوں کا حال بیان کرے وہ خود بلاد عربیہ میں نہیں لکھی گئی، چنانچہ خود ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب مرحوم جو صدر جمہوریہ تھے فرمایا کہ جب میں مصر کے دورہ پر گیا تو صرف آپ کے والد صاحب کی کتاب "نزھۃ الخواطر" لے گیا اور میں نے Desk پر رکھ دی، جب کوئی مصری اسکالر آتا یا کوئی اخبار کا بڑا نمائندہ یا کسی جامعہ کا پروفیسر، وہ کہتا کہ کیا ہندوستان میں علم ہے؟ ہندوستان میں لوگ عربی جانتے ہیں؟ ہندوستان میں کوئی بڑا کام ہوا، کوئی بڑی خدمت ہوئی؟ میں کہتا یہ کتاب دیکھ لیجیے۔ مصر بھی ایسی کتاب نہیں پیش کر سکتا، اور میں بتاتا ہوں عالم عربی کے ایک سیاح کی حیثیت سے بھی اور وہاں کی جامعات میں جانے والے اور وہاں خطاب کرنے والے کی حیثیت سے بھی، کہ ایک کتاب بھی عالم عربی میں ایسی نہیں ملتی جو پہلی صدی سے چودھویں صدی پر محیط ہو، یا تو ایک صدی پر کتابیں ہیں یا پھر ایک ایک فن پر ہیں، مثلاً کوئی کتاب صرف و نحو پر ہے، کوئی شاعری پر ہے کوئی طب پر ہے، لیکن انھوں نے ہندوستان کی تاریخ لکھی پہلی صدی (جب سے یہاں عرب آئے اور اسلام آیا) اس وقت سے لیکر اپنی وفات تک کے ناموروں کا اس میں ذکر ہے۔

دوسری کتاب لکھی ہے جو ان کا بڑا کارنامہ ہے اور ہندوستان کے لیے ایک شاہکار چیز

www.abulhasanalinadwi.org

ہے وہ ہے ہندوستان کے علمار کی تصنیفات کی ڈائرکٹری، پہلی صدی سے لے کر اس وقت تک کسی فن میں بھی کسی عالم نے کوئی کتاب لکھی ہے تو اس میں اس کا ذکر ہے، پوری ڈائرکٹری ہندوستان کے تیرہ سو[۱۳۰۰] برس چودہ سو[۱۴۰۰] برس کی جس میں سیکڑوں کتابوں کے نام ہیں، اس فن میں یہ کتاب ہے اس کی یہ خصوصیت ہے۔ عالم عربی کی سب سے بڑی اکیڈمی دمشق کی "المجمع العلمی العربی" جس کا نام تھا اب "مجمع اللغة العربية" ہوگیا ہے اس نے اس کو شائع کیا، دو ایڈیشن وہاں سے شائع ہوئے ہیں، ہندوستان میں اس کا ترجمہ ہوا اور "اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں" کے نام سے دار المصنفین کی طرف سے شائع ہوا جو سب سے مقتدر ادارہ ہے۔ عام طور پر ہوا یہی ہے کہ لوگوں نے پورا احاطہ نہیں کیا، اب اس کی ضرورت ہے کہ ایسی کتابیں لکھی جائیں جن میں ان کتابوں کا تذکرہ ہو جو منفرد (Unique) ہیں ان کی مثال عالم اسلام اور عالم عربی میں نہیں ملتی اور ایسی بہت سی چیزیں ہیں، پھر اس کے بعد ضرورت ہے کہ جن چیزوں سے متاثر ہوئے اور انقلاب ہوا ان کا بھی ذکر ہونا چاہیے۔

تو سب سے پہلے جو مجھے یاد ہے میری زندگی پر اثر مسدس حالی کا پڑا، انھوں نے صحابہ کرام کا جہاں تذکرہ کیا ہے، پھر اسلام کی خدمت اور اس کی انقلاب انگیزی کا جہاں ذکر کیا ہے اس کا بڑا حصہ زبانی یاد تھا، اس زمانہ میں مسلمانوں کے اکثر گھروں میں مسدس حالی پڑھی جاتی تھی، اس کے بہت سے شعر خواتین، بچیوں اور لڑکیوں کی زبان پر بھی تھے۔

اس کے بعد پھر جس کتاب کا اثر پڑا وہ ہمارے خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق صاحب کلامی کی کتاب "صمصام الاسلام" ہے، حضرت سید احمد شہیدؒ کم سے کم پٹنہ اور اس کے اطراف میں ضرور معروف رہیں اور محترم شخصیت ہیں، صادق پور ان کا پیرو تھا اور اس نے ہندوستان کی آزادی میں انگریزوں کے مقابلہ میں وہ کردار ادا کیا جو (میں ایک تاریخ داں کی حیثیت سے بھی اور ایک محبِ وطن کی حیثیت سے بھی کہتا ہوں) ہندوستان میں شاید کسی علاقہ نے اتنا بڑا حق ادا نہیں کیا، سید عبدالرزاق صاحب کلامی سید احمد شہیدؒ کے نواسہ ہوتے تھے اور میرے والد صاحب کے حقیقی پھوپھا تھے، انھوں نے "صمصام الاسلام" کے نام سے پچیس[۲۵۰۰۰] ہزار اشعار میں واقدی کی فتوح الشام کو منتقل کیا وہ شاعرانہ حیثیت سے بھی بڑی بلند کلام ہیں۔ اس کتاب میں پچیس[۲۵۰۰۰] ہزار اشعار ہیں،

خاندان میں یہ رواج تھا کہ جب کوئی حادثہ پیش آتا، کوئی غمی ہو جاتی تھی تو اس کے اثر کو کم کرنے کے لیے مستورات جمع ہوتی تھیں اور صمصام الاسلام پڑھی جاتی تھی، مجھے خوب یاد ہے میں اس میں شریک ہوتا تھا، اپنی کم سنی کے باوجود، کیونکہ میری خالہ صاحبہ یا میری ہمشیرہ وغیرہ پڑھتی تھیں تو حالت یہ ہوتی تھی، کہ آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتی تھیں اور چہروں کا رنگ بدل جاتا تھا، اور بالکل معلوم ہوتا تھا کہ اپنا غم بھول گیا ہے، اور کسی کی شہادت کا ذکر آتا (خاص طور سے خواتین کی شہادت اور قربانیوں کا ذکر آتا) تو اپنا غم بھول جاتی تھیں، یہ بہت اچھا رواج تھا، اس وقت اس حادثہ کا اثر کم ہو جاتا تھا اور کسی کا کوئی وعظ یا تلقین یا کوئی اور کتاب اتنی مؤثر نہیں ہوتی تھی جتنی کہ صمصام الاسلام ہوتی تھی۔

پھر صمصام الاسلام کے بعد مجھے جس چیز نے متاثر کیا وہ اکبرؔ الہ آبادی مرحوم کا کلام ہے، ملک میں مغربی تہذیب کا دور آیا اور میں چونکہ لکھنؤ شہر کا رہنے والا ہوں جو تحریک خلافت اور تحریک آزادی کا بڑا مرکز رہا ہے، لیکن اس وقت انگریزی تہذیب کا اور انگریزی دانش کا، مغربی ثقافت (Culture) کا اتنا اثر تھا کہ کوئی شخص اس سے بچا نہیں تھا۔ اس کے لیے اتنی بات کافی ہے کہ اس وقت ایک لفظ چلا ہوا تھا "ولایت" اسی سے آپ سمجھ جائیے کہ یہ کس ذہن کی غمازی کرتا ہے، جب کسی چیز کی بڑائی بیان کرنا چاہتے تھے تو کہتے تھے یہ ولایت سے آئی ہے، میں ولایت سے آیا ہوں، اس وقت دو چیزیں میرے بڑے کام آئیں ایک اکبرؔ الہ آبادی کا کلام، اس نے اس طلسم کو توڑا اور اس کی اصل کمزوریوں کو دکھایا اور وہ کام کیا جو بڑے بڑے دانش کدوں نے بڑی بڑی علمی، دقیق اور عمیق اور بلند مرتبہ کتابوں نے کیا ہوگا، ان کا کلام جب پھیلا تو اس سے مغربی تہذیب کا تسلط، اس کی Sovereignty کم ہوئی، ان کے چند شعر پڑھتا ہوں، جن سے آپ سمجھ جائیں گے کہ کتنی بڑی حقیقت بیان کی ہے وہ کہتے ہیں ؎

لکھے گا کلک حسرت دنیا کی ہسٹری میں — اندھیر ہو رہا تھا بجلی کی روشنی میں

علومِ مغربی کے بحر میں غوطہ لگانے سے — زباں گو صاف ہو جاتی ہے دل طاہر نہیں ہوتا

بے پردہ کل جو آئیں نظر چند بیبیاں — اکبرؔ زمیں میں غیرتِ قومی سے گڑ گیا

پوچھا جو ان سے آپ کا پردہ وہ کیا ہوا — کہنے لگیں کہ عقل پہ مردوں کے پڑ گیا

اکبر الہ آبادی کا بہت اثر ہوا، ایک اعتراف بالحق کے طور پر یہ بھی کہہ دوں کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کا رسالہ "سچ" (جو بعد میں "صدق" کے نام سے نکلنے لگا) اکبر الہ آبادی کا بھی بڑا ترجمان تھا، میں جب تک رائے میں رہتا تھا وہاں بھی "سچ" کا پرچہ آتا تھا پھر وہ "صدق" کے نام سے نکلنے لگا اور میرا مولانا سے ذاتی تعلق اور رابطہ قائم ہوا، اس وقت لاہور سے "زمیندار" آتا تھا جس میں مولانا ظفر علی خاں کی نظمیں شائع ہوتی تھیں، وہ نظمیں ایسی زلزلہ انگیز ہوتی تھیں اور جذبات پر ایسی اثر انداز (زبان کے لحاظ سے بھی اور زور بیان کے لحاظ سے بھی) کہ اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔

اس کے بعد اقبالؒ کے کلام نے دل و دماغ کو متاثر کیا، یہ عرض کر دوں کہ اقبال کے کلام میں "بانگِ درا" نے اتنا مجھ پر اثر نہیں ڈالا، اس وقت تو یہ چیز رائج تھی، اور آپ کو معلوم ہے اقبال کا کلام وقت کے فاصلہ سے شائع ہوتا رہتا تھا، مثلاً ابھی "بانگِ درا" آئی ہے، پھر "ضربِ کلیم" آئی ہے، "بال جبریل" آئی ہے اور دوسری کتابیں لیکن مجھ پر سب سے زیادہ اثر "بال جبریل" کا پڑا ہے، ان کے اشعار پڑھتا تھا اور لطف لیتا تھا، پھر خدا نے ایسی توفیق دی کہ میں نے انکا عالم عربی سے تعارف کرایا، میں جب مصر گیا ۱۹۵۱ء میں تو میں نے دیکھا کہ مصر میں بہت زیادہ غیر ممتاز شخصیتوں پر لکھا گیا ہے اور لوگ ان سے واقف ہیں، میں وہاں کے چوٹی کے لکھنے والوں سے ملا، جن میں ڈاکٹر احمد امین، عباس محمود العقاد، احمد حسن الزیات اور سید قطب وغیرہ تھے، لیکن میں نے دیکھا کہ سارا مصر اقبال سے ناآشنا ہے اور عالم عربی بھی ناآشنا ہے، تو میں نے وہاں سے آنے کے بعد اس کا بیڑا اٹھایا، ہمت کی کہ میں اقبال کو عربی میں پیش کروں، چنانچہ پہلے میں نے مضامین کی شکل میں یہ کام کیا، پھر پوری کتاب "روائع اقبال" کے نام سے لکھی اور مصر ہی نہیں عالم عربی میں پہلی مرتبہ ان کا تعارف ہوا اور مجھے حیرت ہوئی کہ بعض بعض عرب ادیبوں، دانشوروں کو اس کے صفحے کے صفحے یاد ہیں، مجھے خوب یاد ہے کہ امیر حسن نے جو اردن کے ولی عہد ہیں وہاں "مؤسسة اہل البیت" کے نام سے ایک اکیڈمی ہے میں اس کا ممبر ہوں، انھوں نے ایک ڈنر کا انتظام کیا، اپنی طرف سے اعزاز کا، اس وقت میں تھا اور میرے بھانجے مولوی سید محمد واضح حسنی ندوی، اور ایک مفتی خلیلی صاحب تھے، جو مسقط کے بہت بڑے عالم، بڑے مفتی ہیں، تو مجھے حیرت ہوئی کہ انھوں نے "روائع اقبال" کے صفحے کے صفحے زبانی سنانا شروع کر دیئے اور پھر اس کے بعد وہاں بہت سے لوگوں کو اس

سے بڑی دلچسپی ہوئی اور اس کتاب کا بڑا اثر پڑا، اور اقبال سے لوگوں کا تعارف ہوا اور انھیں حیرت ہوئی کہ ایسے شاعر سے ہم ناواقف تھے جو اسلام کا صحیح ترجمان ہے، اور اس نے طاقت کا پیغام، خود اعتمادی کا پیغام، اور انقلاب انگیزی کا پیغام جو اب تک کسی شاعر نے نہیں دیا تھا، دنیائے اسلام کو دیا۔

پھر اس کے بعد سب سے زیادہ جس کا اثر مجھ پر پڑا وہ سیّد احمد شہیدؒ کی تحریک کا تھا، وہ ہمارے گھر کی چیز تھی، خاندان کی چیز تھی لیکن اس کا تذکرہ بہت کم ہو گیا تھا، کہیں کہیں مجلسوں میں اس کا تذکرہ ہوتا تھا، لیکن اسی زمانہ میں مولوی محی الدین صاحب قصوری نے جو مولانا آزاد کے خاص لوگوں میں تھے امرتسر کے ایک پرچہ توحید میں جو مولانا داؤد صاحب غزنوی کی ادارت میں نکلتا تھا "عصرِ حاضر کا عظیم مجاہد سیّد احمد شہیدؒ" کے نام سے مقالہ لکھا، میرے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی صاحب نے کہا کہ تم اس کا ترجمہ عربی میں کرو، اس وقت میری عمر ۱۶-۱۷ سال تھی، میں نے اس کا ترجمہ عربی میں کیا، اسی زمانہ میں عالم عربی کے بہت بڑے محقق، ادیب اور نقّاد استاد علامہ تقی الدین الہلالی مراکشی، جن کا حال یہ تھا کہ جب دو بڑے ادیبوں میں جو بڑے کہنہ مشق نامور لکھنے والوں میں تھے کسی لفظ کے بارے میں اختلاف ہوتا تھا کہ لفظ صحیح ہے یا نہیں تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے، چنانچہ امیر البیان امیر شکیب ارسلان جو "حاضر العالم الاسلامی" کی چار جلدوں کے مصنف ہیں اور علاّمہ سیّد رشید رضا میں جو شیخ محمد عبدہ کے شاگرد ہیں اور وہ جمال الدین افغانی کے شاگرد و ترجمان تھے جب ان کا آپس میں اختلاف ہوتا تھا تو ان کی طرف رجوع کرتے تھے اور وہ جو فیصلہ کرتے تھے مان لیا جاتا تھا، اس کے شواہد موجود ہیں، امیر شکیب ارسلان کی خود نوشت کتاب جس میں "السیّد رشید رضا أو إخاء أربعين سنة" میں لکھا ہے کہیں لفظ میں ہمارا اختلاف ہوا ہم نے شیخ تقی الدین کی طرف رجوع کیا انھوں نے یہ فیصلہ کیا، وہ لکھنؤ آئے تھے اور ندوۃ العلماء میں ان کو تعلیم کا عہدہ دیا جانے والا تھا، انھوں نے جو یہ مضمون دیکھا تو کہا کہ اگر تم کہو تو اسے علامہ سیّد رشید رضا کے پاس مصر بھیج دوں، اب خیال کیجیے ۱۶-۱۷ سال کا نوجوان اس کا مضمون علامہ سیّد رشید رضا جو شیخ محمد عبدہ کے شاگرد رشید ہیں وہ "المنار" نکالتے تھے، انھوں نے اس مضمون کو رسالہ میں شائع کیا اور اس کے بعد انھوں نے لکھا کہ اگر مضمون نگار چاہیں تو ہم اس کو الگ رسالہ کی شکل میں بھی

www.abulhasanalinadwi.org

شائع کرسکتے ہیں، تو خدا کا شکر ادا کرنے کے سلسلہ میں کہتا ہوں کہ شاید ہندوستان میں یا بلادِ عجمیہ میں کم ایسا ہوا ہو کہ ۱۶-۱۷ سال کے نوجوان کی کتاب مصر میں شائع ہوئی ہو اور مستند سمجھی گئی ہو، چنانچہ "الامام السید احمد شہیدؒ" کے نام سے وہ رسالہ وہاں شائع ہوا اور پھر ہندوستان میں بھی پھیلا۔

مجھ پر سب سے زیادہ جس کا اثر پڑا ہے وہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے واقعات تھے، میں بلا کسی مبالغہ کے اور بغیر کسی خودستائی کے کہتا ہوں کہ کچھ خاندانی تعلق بھی ہے کہ میں جب ان کے حالات پڑھتا تھا، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک گوشہ میں (جس زمانہ میں وہاں بجلی بھی نہیں آئی تھی چراغ جلاکر، لالٹین جلاکر میں کتاب پڑھتا تھا)، "وقائع احمدی" جو ان کے حالات میں لکھی گئی ہے یا دوسری کتاب "منظورۃ السعداء" جو فارسی میں ہے مولانا سید جعفر علی صاحب بستوی کی وہ جب پڑھتا تھا تو ایک دم سے مجھے معلوم ہوتا تھا کہ رحمت کی کوئی گھٹا آگئی ہے اور دعا کرنے کا وقت ہے اور آنسو جاری ہوجاتے اور دعا کرتا، ویسا اثر میں نے سیرت نبوی کے بعد کسی چیز میں نہیں دیکھا، مجھ پر سب سے زیادہ اثر پڑا ہے سید احمد شہیدؒ کا اور پھر اس کے بعد اس کے نتیجہ میں میں نے "سیرت سید احمد شہیدؒ" لکھی، پہلے ایک جلد تھی اس پر علامہ سید سلیمان ندوی نے مقدمہ لکھا، بڑا طاقتور مقدمہ ہے پھر دو جلدوں میں میں نے کتاب لکھی اور اس وقت تک بحمداللہ ۶-۷ ایڈیشن نکل چکے ہوں گے اور پاکستان، ہندوستان میں بہت پھیلی، پھر اس کے بعد چودھری غلام رسول صاحب مہر (جو ایک بہت بڑے صحافی اور جرنلسٹ تھے) وہ کہتے تھے کہ میں تیرہ، چودہ سال سے یہی کام کر رہا ہوں اور کوئی دن ایسا نہیں گزرا کہ میں نے دو رکعت نماز پڑھ کر دعا نہ کی ہو، انھوں نے کتاب لکھی "سیرت احمد شہیدؒ" چار جلدوں میں ان کی کتاب کافی مقبول ہوئی، اس کتاب نے ہزاروں انسانوں پر اثر ڈالا، ان کے عقائد میں بھی اصلاح ہوئی ان کے جذبات میں بھی ایمانی طاقت پیدا ہوئی جو بہت کم چیزوں سے پیدا ہوتی ہے۔

ابھی تک بہت کم لوگوں نے اس پر کوئی کتاب لکھی ہے کہ کس کتاب نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا، اگر کسی کتاب کا ذکر آتا ہے تو وہ مثنوی مولانا رومؒ ہے خود اقبالؔ مرحوم اس سے بڑے متاثر ہیں وہ کہتے ہیں ؎

پیرِ رومی مرشد روشن ضمیر کاروانِ عشق و مستی را امیر

اور اردو میں کہتے ہیں ؎

صحبت پیرِ روم سے، مجھ پہ ہوا یہ نکتہ فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

مولانا روم کے کلام کا بہت سے آدمیوں کے ذہنوں پر بڑا اثر پڑا ہے مگر ان لوگوں نے تحریری شکل میں کوئی شہادت نہیں دی، لیکن اگر پوچھا جائے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ پورے اس برصغیر میں اور پھر ایران میں سیکڑوں ہزاروں کی تعداد میں لوگ اس سے متاثر ہوئے ہیں، یہ تو عربی فارسی اردو کا ذکر کیا گیا۔

میں نے جب مغربی تہذیب کی تنقید کے مطالعہ کا ارادہ کیا، میرے بڑے بھائی صاحب نے (جو بڑے مبصر تھے مجھے انگریزی بھی پڑھوائی تھی) جہاں تک تاریخ، اخلاقیات اور دین کا تعلق ہے اس میں میں نے مسلمانوں کے انحطاط، مسلمانوں کے مسندِ قیادت سے دست کش ہوجانے یا پیچھے ہوجانے سے دنیا کو کیا نقصان پہنچا، اس کا میں نے بالکل ایک تاریخی، غیر جانبدارانہ، ایک معبرانہ اور ناقدانہ تبصرہ کیا، جو عربی زبان میں "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے نام سے چھپا جس کا اردو ترجمہ "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" کے نام سے شائع ہوا، عالم عربی میں میری جو کتاب سب سے زیادہ پڑھی گئی اور مقبول ہوئی وہ یہی کتاب "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" تھی، اس کے تقریباً پچیس [۲۵] ایڈیشن نکل چکے ہیں، قاہرہ اور دمشق اور کویت میں اور مختلف جگہوں پر، اور اردو میں جس کے ترجمے بار بار شائع ہوئے ہیں، بعض ادیبوں نے اس کا ذکر کیا کہ جب مجھے کوئی زوردار چیز لکھنی پڑتی ہے اور خیال ہوتا ہے کہ تحریر میں جوش ہو تو پہلے "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے چند صفحے پڑھ لیتا ہوں پھر قلم اٹھاتا ہوں، یہ استاد انور الجُندی کا مقولہ ہے جو اس وقت مصر کے اچھے نامور کاتب ہیں، تو اس وقت مجھے اس بات کی ضرورت ہوئی کہ غیر جانبدارانہ طریقہ پر اور غیر جذباتی طریقہ پر میں مغربی تہذیب کی کمزوریوں کو سمجھوں اور کیا اس کا Donation ہے، اس نے کیا دنیا کو عطا کیا اور کیا نقصان پہنچایا، اخلاقیات کے پہلو سے، دینیات کے پہلو سے، انسانیت کے پہلو سے، تو میں نے اس وقت انگریزی کتابوں کا مطالعہ شروع کیا، اس میں مجھے سب سے زیادہ ـــــ جن کتابوں سے فائدہ ہوا، ان میں ـــــ

www.abulhasanalinadwi.org

Conflict Between Religion and Science ہے یہ ڈراپر کی کتاب ہے اسے میں نے غور سے پڑھا اور اس کے نوٹس لیے اس میں بتایا ہے کہ کلیسا اور دربار کی جو جنگ ہوئی، جو کشمکش اور تقابل ہوا' اس سے کیا فائدہ پہنچا کیا نقصان پہنچا اور اس نے کیا اثرات ڈالے، مغربی معاشرہ مغربی ذہن پر، پھر کتاب پڑھی History of European Morals اس سے مجھے معلوم ہوا کہ یونان کا کیا اثر پڑا ہے یورپ پر' یونان نے کیا دیا اور اس میں کیا افراط و تفریط تھی، ان کے دو بہت بڑے School of Thought تھے ایک جسے رواقی کہتے ہیں اور ایک لذّتی، بس جس میں آدمی کو مزا آئے وہی چیز لینی چاہیے، اسی کو اختیار کرنا چاہیے یہ لذّتی مکتبِ خیال ہے' مگر رواقی مکتبِ خیال یہ ہے کہ نہیں عقل سے کام لینا چاہیے، اس کتاب میں اس نے ثابت کیا ہے کہ لذّتی اسکول نے یورپ پر زیادہ اثر ڈالا ہے' اس وقت یورپ فلسفۂ لذّتیت کا کاربند نہیں بلکہ پابند ہے۔

امام ابن تیمیہ کی کتاب میں نے پہلے پڑھی تھی، اس لیے بہت چیزوں کی مجھے تصدیق ہوئی' انھوں نے ایک بڑے کام کی بات کہی ہے' انھوں نے کہا ہے کہ ایک چیز ہے "نفی" اور ایک ہے "اثبات" امام ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ یونان کی ایک بڑی کمزوری یہ تھی کہ ان کے یہاں نفی زیادہ ہے اثبات کم ہے' حالانکہ سارا عمل جوشِ عمل، طاقت اور انرجی ساری ذہنی و اعصابی محرکات' اعصابیت پیدا ہوتی ہے اثبات سے نفی سے پیدا نہیں ہوتی، قرآن کیا کہتا ہے "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ" اللہ تعالیٰ کی طرح کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سمیع و بصیر ہے لیکن جب اس کی صفت بیان کرتا ہے تو کہتا ہے' هُوَ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ٥ اور پھر اس سے پہلے کی جو آیتیں ہیں ۵۔ ۱۰ صفتیں بیان کی ہیں کہ اللہ یہ ہے' اللہ یہ ہے اور ان صفتوں کا تعلق انسانی زندگی سے بھی ہے اور کائنات سے بھی ہے' اس سے آدمی میں ایک جذبۂ عمل پیدا ہوتا ہے' جذبۂ دعا پیدا ہوتا ہے' جذبۂ عبادت بھی پیدا ہوتا ہے' ایک اطمینان اور سکونِ قلب پیدا ہوتا ہے کہ میں جس خدا کا پرستار ہوں وہ بڑا رحمان و رحیم ہے' وہ بڑا حکیم و بصیر ہے وہ خالق ہے کائنات کا اور قادر ہے ہر چیز پر۔

پھر جس سے فائدہ پہنچا وہ گبن کی مشہور کتاب ہے :

Decline And Fall of the Roman Empire

اس سے معلوم ہوا کہ رومۃ الکبریٰ کی سلطنت سے کیا غلطیاں ہوئیں' کیا اس میں ناہمواریاں پیش آئیں اور اس میں ضعف کے سرچشمے کیا تھے، کیوں اتنی بڑی رومۃ الکبریٰ جو دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہی تھی اس کو زوال ہوا اور پھر ایک کتاب Making of Humanity پڑھی اس میں انسانیت کی تعمیر اور تخریب کی تاریخ پر بحث کی گئی۔

آخر میں یہ عرض کرتا ہوں کہ اس وقت ضرورت اس کی ہے کہ لوگ ان کتابوں کی طرف توجہ کریں اور ان پر خامہ فرسائی کریں جنھوں نے ان کے اندر انقلاب کیا اور کس طرح سے انقلاب کیا ؟ اور پھر ایسی منتخب اور مفید کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیں' جہاں تک کتابوں کے ذخیرہ اور کتابوں کی کثرت کا تعلق ہے وہ قابلِ مبارکباد چیز ہے' ہر زمانہ میں قابلِ مبارکباد ہوگی اور خدا کا شکر ہے کہ دنیا میں اس کے بڑے بڑے ذخیرے موجود ہیں اور یہ حسنِ اتفاق ہی نہیں بلکہ تقدیری بات ہے کہ یہ بات اس کتب خانہ میں کہی جا رہی ہے جو ہندوستان کے لیے قابلِ فخر ہے، میں نے مصر کا بھی سب سے بڑا کتب خانہ دیکھا، کتب خانہ خدیویہ' دمشق کا کتب خانہ ظاہریہ بھی دیکھا، مدینہ طیّبہ کا کتب خانہ شیخ الاسلام بھی دیکھا پھر برٹش میوزیم اور برطانیہ کے کتب خانے بھی دیکھے۔ میں اس بات کا اقرار ہی نہیں شہادت دیتا ہوں کہ خدا بخش خاں کی لائبریری صرف مسلمانوں ہی کے لیے نہیں' ہندوستان کے لیے' ایشیا کے لیے قابلِ فخر ہے اور آپ حضرات اہلِ پٹنہ قابلِ مبارکباد ہیں کہ ان کے شہر میں یہ کتب خانہ پایا جاتا ہے' اللہ اس کی حفاظت کرے اور اس میں اضافہ کرے اور اس سے فائدہ اٹھانے کی بھی توفیق دے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

www.abulhasanalinadwi.org